ڈاکٹر روبینہ ترین

خواجہ غلام فریدؒ کی سرائیکی شاعری

Abstract: - *Like Sachal Sarmast, Khawja Ghulam Fareed expressed his poetic genius in more than five languages but Seraiki language was accredited and inhabitants of the region discovered their identity in his cultural idiom. In this article the significance and salient characteristics of Seraiki poetry of Khawja Ghulam Fareed has been elucidated with examples. It helps to determine the psyche of the people who get inspiration out of mystic experience and values.*

سرائیکی شعروادب اورتصوف کی روایت اورخودسرائیکی کی شناخت خواجہ غلام فریدؒ کے حوالے کے بغیرادھوری ہے۔سرائیکی کا یہ عظیم المرتبت شاعر برصغیر پاک وہند کی ایک نہایت اہم روحانی شخصیت بھی ہے جن کے سرمایۂ علم وادب میں سرائیکی شاعری کے علاوہ اُردو شاعری اور رشدوہدایت پرمبنی صوفیانہ ملفوظات کا ایک قابل قدرخزانہ موجود ہے۔سرائیکی اوراُردو کے اس مشہورصوفی شاعر کے آباؤاجداد کئی سوسال پہلے عرب سے آئے تھے۔مالک بن یحییٰ اس خاندان کے وہ بزرگ تھے جوسب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہاں آباد ہوئے۔مقابیس المجالس کے مطابق مالک بن یحییٰ کا نسب حضرت عمرفاروقؓ سے ملتا ہے(۱) لیکن 'مناقب محبوبیہ' میں لکھا ہے کہ:

''محبوب الٰہی قدس سرہ کا نام مبارک خواجہ خدابخش ہے،بن حضرت خواجہ احمد علی بن غوث الغیوث شیخ حضرت خواجہ عاقل محمد بن حضرت خواجہ مخدوم شریف محمد بن حضرت مخدوم محمد یعقوب بن حضرت مخدوم نورمحمد بن مخدوم زکریا قوم قریشی ازاولادسیدالکل بعدالانبیاء حضرت ابابکرالصدیق معروف کوریجہ ہیں۔''(۲)

گویا خودخواجہ فرید کے مطابق ان کا خاندان صدیقی ہے۔نسلاً خواجہ فرید کوریجہ قوم سے بیان کیے جاتے ہیں۔اگرچہ آپ کے آباؤاجداد کا تعلق عرب سے تھااورکوریجہ سندھی کا لفظ ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ میں آباد ہونے کے بعدان کا خاندان کوریجہ کہلانے لگا۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان

کے ساتھ کوریجہ کیوں استعمال ہوااس کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ

''جب اس خاندان کے بزرگوں نے حکومت کے عہدوں کو خیرباد کہہ کر سندھ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی تو وہاں کی سرزمین سے اتنے مانوس ہوگئے تھے کہ انھوں نے سندھیوں کی طرز پراپنی اولاد کے نام بھی مالک اوریحییٰ کے بجائے شیخ پریا،شیخ پنوں،شیخ کوراوراورشیخ تارارکھ لیے تھے۔''(۳)

''مناقب فریدی'' کے مطابق:

''کوریجہ اصل میں ''کوراجا'' تھاجو''کورزا'' سندھی تلفظ ہےاورکورزامرزا کی طرح ہے،جس کے معنی ہیں اولادکور۔''(۴) چنانچہ آپ کے خاندان کے بزرگ کوریجہ کہلواتے تھے۔

خواجہ فرید کے جدامجد یحییٰ بن مالک عرب لشکر کے ساتھ آئے اور پھرسندھ میں آباد ہوگئے ان کی اولاد کئی سالوں تک سندھ میں رہی بعد میں ان ہی سے ایک بزرگ مخدوم زکریا سندھ سے ملتان کے نزدیک بستی منگلوٹ آگئے۔کپتان واحدبخش سیال کے مطابق:

''شیخ کوریا کے بیٹے شیخ حسین سندھ کے علاقہ ٹھٹھہ میں حکومت وقت کی طرف سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھےلیکن انھوں نے آخرعمر میں ملازمت ترک کرکے درویشی اختیارکی۔ان کی بیعت سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تھی۔شیخ حسین کے بیٹے مخدوم زکریا سندھ سے ترک سکونت کرکے ملتان کے قریب بستی منگلوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔''(۵)

انہی مخدوم زکریا کے بیٹے اورسجادہ نشین مخدوم نورمحمد کوریجہ بڑے صاحب کمال صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے پوتے مخدوم شریف منگلوٹ سے سیت پُور کی بستی یارے والی میں قیام پذیر ہوئے جہاں آپ کے ایک مرید نے آپ کے کہنے پرایک شہرکوٹ مٹھن آباد کیا۔''مشائخ چشت'' میں لکھا ہے کہ:

''مخدوم محمد شریف صاحب،یارے والی میں آکرآباد ہوئے تومٹھن خان بلوچ رئیس یارے والی آپ کا مرید ومعتقد ہوگیا۔ایک دن آپ کا گزراس جگہ ہوا جہاں اب مٹھن کوٹ آباد ہے۔دریا کے کنارہ

پر یہ پُر فضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان موصوف نے اس جگہ شہر بسانا قبول کر لیا اور مخدوم سے گزارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں اس طرح کوٹ مٹھن وجود میں آیا۔" (۶)

کوٹ مٹھن شریف میں مخدوم محمد شریف اور ان کی اولاد بہت عرصہ تک قیام پذیر رہی۔ یہ لوگ اپنے فیوض و برکات اور علم و عمل سے کافی عرصہ تک لوگوں کو نوازتے رہے۔ مخدوم محمد شریف کے بعد ان کی اولاد میں مسند خلافت کا سلسلہ چلتا رہا اور وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کا کام انجام دیتے رہے۔ مخدوم محمد شریف کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد عاقل مسند خلافت پر متمکن ہوئے جو ایک بہت بڑے صوفی بزرگ تھے۔ خواجہ محمد عاقل نے علم حاصل کرنے کے بعد کوٹ مٹھن شریف میں مدرسہ قائم کیا جہاں بڑے بڑے عالم درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی سو سے زیادہ طلباء کو درس دیا کرتے۔

آپ نے ۸ر رجب ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔ ان کے بعد آپ کے صاحب زادے میاں احمد علی سجادہ نشین ہوئے جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ ۱۲۳۱ھ میں خواجہ احمد علی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے خواجہ خدا بخش مسند نشین ہوئے آپ نے اپنے دادا خواجہ محمد عاقل سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے باپ دادا کے مشن کو اسی طرح جاری رکھا۔ مدرسہ اور لنگر ویسے ہی جاری رہا بلکہ آپ نے ایک دواخانے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ خواجہ خدا بخش طویل عرصہ تک کوٹ مٹھن میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر سابق ریاست بہاولپور کی تحصیل خان پور میں چاچڑاں کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ چاچڑاں کی طرف ہجرت اور وہاں قیام کے سلسلے میں نواب بہاولپور صادق محمد خان کی خواہش بھی شامل تھی۔ چاچڑاں شریف میں ہی مخدوم خدا بخش کے ہاں اس صوفی شاعر نے منگل ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) کو جنم لیا۔ خواجہ غلام فرید سے کسی نے آپ کی تاریخ ولادت دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

"میری ولادت روز سہ شنبہ ماہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ اور ماہ پوہ کے پہلے عشرہ میں سات مشتری میں قبل طلوع آفتاب ہوئی۔" (۷)

آپ کا تاریخی نام خورشید عالم (خ-۶۰۰۔ و-۶۔ ر-۲۰۰۔ ش-۳۰۰۔ ی-۱۰۔ د-۴۔ ع-۷۰۔ ا-۱۔ ل-۳۰۔ م-۴۰ = ۱۲۶۱ ہجری) رکھا گیا لیکن بعد میں فرید الدین گنج شکر کے نام کی مناسبت سے آپ کا نام غلام فرید رکھا گیا۔ خواجہ فرید فرماتے ہیں کہ:

"جب میں پیدا ہوا تو حضرت محبوب الٰہی نے مشورہ کیا کہ اس بچے کا نام کیا رکھنا چاہیے اس پر میاں جندو خادم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور حضرت شیوخ العالم گنج شکر بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے پس ان کا نام "غلام فرید" رکھا جائے تو بہتر ہوگا اس سے حضرت محبوب الٰہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ اچھا نام ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے۔" (۸)

خواجہ فرید چار برس کے تھے کہ والدہ فوت ہو گئیں، آٹھ برس کی عمر میں والد وفات پا گئے۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ذمہ آپ کے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین نے اُٹھایا۔ والد کی وفات کے وقت جب کہ خواجہ فرید کی عمر آٹھ سال تھی ان کے بھائی خواجہ فخر الدین ۳۵ سال کے تھے (۹)۔ خواجہ فخر الدین نے اپنی زندگی درس و تدریس اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دی تدریس کے سلسلے میں ان کی ساری عادتیں اپنے والد محترم جیسی تھیں، سوائے اس کے کہ خواجہ خدا بخش تو زیادہ تر مروّجہ درسی کتابوں کی تعلیم دیتے تھے جب کہ حضرت فخر الدین اوحدی زیادہ تر احادیث اور تفسیر کا درس دینا پسند کرتے تھے۔

"اشارات فریدی" کے مطابق حضرت فخر الدین شاعری بھی کرتے تھے لیکن والد محترم کے خوف سے چھپاتے تھے چنانچہ انھوں نے ان مشاہیر شعراء کا تخلص رکھا جن کے نام تو بہت معروف تھے لیکن ان کے دیوان یہاں ناپید تھے۔ حضرت فخر الدین نے شیخ اوحدی اصفہانی کے تخلص پر اپنا تخلص اوحدی رکھا۔

خواجہ فریدؒ نے تیرہ برس کی عمر میں اپنے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس طرح آپ نے تمام ظاہری و باطنی علوم ان سے حاصل کیے۔ علامہ عبدالرشید نسیم طالوت کے مطابق:

''محبت کی گود میں آپ نے آنکھ کھولی اور محبت ہی کے گہوارے میں پرورش پائی، بادۂ عرفان آپ کا موروثی مال تھا اور حقیقت و ایقان شاہد حال۔ ابھی آپ سولہ سترہ سال ہی کے تھے علوم ظاہریہ باطنہ میں کمال حاصل ہو گیا۔''(۱۰)

بیعت ہونے کے بعد آپ نے مرشد سے تعلق کو عشق و محبت کی وارفتگیوں میں بدل دیا چنانچہ خود خواجہ صاحب کے کلام سے اس والہانہ عقیدت و محبت کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جب خواجہ صاحب نے تعلیم مکمل کر لی تو خواجہ فخر الدین کے ساتھ مل کر علوم ظاہری و باطنی کی تدریس شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے یہاں علوم دینیہ کے شائقین کا دن رات ہجوم رہتا۔ آپ انہیں کتب حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے۔ آپ کو ہر موضوع اور مسئلے پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں بغیر کسی تیاری کے بڑی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے۔ ''فقر فرید'' کے مطابق:

''عوارف المعارف، احیائے العلوم، کیمیائے سعادت سہ مراتب، تحفہ مرسلہ، لواح شریف، فصوص الحکم، جواہر جلالی، جامع العلوم، کشکول حکمی جیسی اونچی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتیں اور ان کے غوامض بیان کرتے وقت علمائے عصر کو دنگ کر دیتے۔''(۱۱)

خواجہ فرید تقریباً دس سال تک اپنے بھائی کی زندگی میں درس دیتے رہے جب آپ ستائیس سال کے ہوئے تو ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ میں آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا چنانچہ مرشد کے انتقال کے بعد آپ مسند نشین ہوئے اس موقع پر نواب صادق محمد خان عباسی نے آپ کی دستار بندی کی رسم ادا کی۔ مسند نشینی سے پہلے ہی آپ اپنے تبحر علمی اور درس و تدریس کے باعث اس قدر شہرت حاصل کر چکے تھے کہ لوگ دھڑا دھڑ آ کر بیعت کرنے لگے اور آپ کی درس گاہ میں شائقین علوم کا ہر وقت تانتا بندھا رہنے لگا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں لوگ دُور دُور سے بیعت کرنے آتے جن میں دیار عرب اور دیگر ممالک بھی شامل ہیں اس طرح آپ کے سلسلہ نظامیہ چشتیہ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی۔ آپ خاص طور پر غریب لوگوں کو جلدی بیعت سے سرفراز فرماتے جب کہ امیر لوگوں کو بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح پرکھتے تھے۔ مسند نشین ہونے کے چار سال بعد

(۱۲۹۲ھ میں) آپ نے زیارت بیعت اللہ شریف کا ارادہ کیا چنانچہ آپ ۲۱ شوال ۱۲۹۲ھ کو چاچڑاں سے سو افراد کے ہمراہ حج کی نیت سے بمبئی کے راستے روانہ ہوئے۔

خواجہ غلام فرید کئی زبانیں جانتے تھے جن میں اُردو، سرائیکی، فارسی، سندھی، ہندی اور پوربی زبانوں میں تو آپ کی شاعری ملتی ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ خواجہ غلام فرید کی اُردو اور سرائیکی شاعری میں عربی تراکیب، الفاظ کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ فرید کو ان زبانوں پر عبور حاصل تھا، اسی بنا پر علامہ نسیم طالوت نے آپ کو 'ہفت زبان' کہا ہے(۱۲)۔ ان سات زبانوں کے علاوہ خواجہ فرید نے ۱۸۵۷ء کے زمانے میں انگریزی ابجد اور رومن لکھنا سیکھی۔ ان کے علاوہ خواجہ فرید شاستری، گورمکھی زبان بھی جانتے تھے۔

خواجہ فرید اُردو سرائیکی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ اچھے واعظ اور مقرر بھی تھے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کا مجموعہ کلام ''دیوان فریدی'' کے نام سے موسوم ہے جس میں اُردو کلام بھی شامل ہے جو غزلوں، قطعات، رباعیات اور نعتوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا دوسرا دیوان سرائیکی زبان میں ہے اور کافیوں کی صورت میں ہے۔ آپ کے اُردو دیوان کی نسبت سرائیکی کلام کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ نثر میں آپ کا رسالہ ''فوائد فریدیہ'' (فارسی) ہے جو سلوک و ولایت سے متعلق آپ کے افادات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب مجھے اسد نظامی مرحوم کی ذاتی لائبریری (جہانیاں) سے دستیاب ہوئی جو کہ مطبع محمد مجتبائی لاہور سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی۔ آپ کی ایک اور کتاب ''مناقب فریدیہ'' ہے جو کہ دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ آپ کی زندگی میں چھپ گئی تھی۔ آپ کی ایک کتاب ''مناقب محبوبیہ'' (فارسی) ہے جو آپ کے والد خواجہ خدا بخش کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ احمد سعید چشتی نے کیا اور اسے انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن نے 'روحانی آرٹ پریس' سے شائع کروایا ہے۔ ڈوہرہ جات کا ایک مجموعہ بھی خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا عنوان ''ڈوہرہ جات فریدی'' ہے لیکن اس کے بارے میں محققین کا کہنا ہے کہ آپ نے ڈوہڑے نہیں کہے۔ چونکہ یہ معانی اور سوز و گداز کے لحاظ سے آپ کے شعری رنگ کے قریب ہیں اس لیے اکثر ان کو خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے۔

خواجہ فرید کے وہ ملفوظات جو آپ مجلسوں میں مریدوں کے سوال و جواب کی صورت میں فرماتے تھے اسے ان کے مرید اور خلیفہ مولانا رکن الدین نے اشارات فریدی کی صورت میں فارسی زبان میں پانچ حصوں میں مرتب کیا ہے۔ اس کے پہلے چار حصے شائع ہو چکے ہیں لیکن پانچواں حصہ ابھی نہیں چھپا۔ مجھے اس کا پانچواں حصہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے قلمی صورت میں دستیاب ہوا۔ رکن الدین نے خواجہ فرید کے ملفوظات ''اشارات فریدی'' المعروف ''مقابیس المجالس'' کے نام سے فارسی میں مرتب کیے۔ انھوں نے موضوعات کے حوالے سے ترتیب قائم نہیں کی بلکہ جیسے جیسے انھوں نے بذاتِ خود سنا، مواقع کے مطابق اور اس کے عنوان کے تحت مرتب کر دیا۔ یہ عنوان ہے ''مقبوس''۔ ہر 'مقبوس' کے شروع میں وقت، دن، مہینے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ''اشارات فریدی'' کے چار حصوں کا اُردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال نے ''مقابیس المجالس'' کے نام سے کیا ہے جسے اسلامک بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا، انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سی شیکل نے کیا ہے جسے بزم ثقافت ملتان نے شائع کیا ہے۔

خواجہ فرید نے تمام عمر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے فیضان سے منور ہونے کے لیے دُور دُور سے لوگ چاچڑاں شریف آتے اور بامراد لوٹتے۔ آخری عمر میں آپ کو ذیابیطس ہوا اور کچھ عرصے سے گھٹنے پر دنبل کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس مرض نے شدت اختیار کر لی، ربیع الثانی کے مہینے میں اس مرض میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ علامہ نسیم طالوت آپ کی زندگی کے آخری دن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت فرید بوقت سحر چار شنبہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ پلنگ پر سوئے ہوئے تھے، دایاں ہاتھ سینے پر تھا۔ کمال استغراق کی حالت تھی اور شغل اسم ذات میں مصروف تھے۔ ضربات پے در پے جاری تھیں۔ اسی حالت میں سرعت تنفس کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین بھی روتا رہا۔ صبح کی نماز کے وقت دلاور خان خادم خاص نے دوائی پینے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا، اس نے دوائی پلائی۔ اشراق کے وقت برکت علی رہابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی تو اس وقت آپ نے انکار فرما دیا پھر عرض کیا پھر بھی منع فرمایا۔ ضعف کمال تھا جو بہت جلد جلد بڑھنے لگا حتیٰ کہ دوپہر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوئے اور مغرب کے وقت رحلت ہوئی۔'' (۱۳)

خواجہ غلام فرید نے ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ/۲ جولائی ۱۹۰۱ء (۱۴) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔

خواجہ فرید کی شاعری کے کئی رنگ ہیں ایک رنگ وہ ہے جس میں تصوف، مسلک، طریقت، رشد و ہدایت، انسان دوستی اور اخلاق کا انمول خزانہ موجود ہے۔ اس کو حقیقت کا رنگ بھی کہا جا سکتا ہے اور اسی بنا پر خواجہ صاحب کو ''صوفی شاعر'' تسلیم کیا گیا لیکن اس شاعری میں خواجہ صاحب کا رویہ تنگ نظر مُلّا یا خشک زاہد کا نہیں بلکہ ایک وسیع المشرب، انسان دوست اور قول و فعل میں یک رنگ انسان کا ہے۔ انہوں نے شریعت، طریقت اور روحانیت کو سماجی زندگی سے ماورا تصور نہیں کیا بلکہ ان کو ہم رنگ بنا دیا۔ پھر تصوف کے مابعد الطبیعاتی مسائل، معجزات اور ماورائے عقل وقوعات کو اپنی شاعری کا عنوان بنایا بلکہ تصوف کے اس صحیح مفہوم کو موضوع شعر بنایا جس نے صوفیائے کرام کو انسان دوستی، محبت، اخلاص، شرافت، خدمت اور ریاضت کے عظیم جذبوں سے آشنا اور ہم کنار کیا۔ تصوف میں بلاشبہ بے ثباتی کائنات، جبرِ مشیت، احساسِ فنا، نفیِ ذات اور آرزوؤں کی پائمالی جیسے سلبی اور منفی رویوں کو تقویت ملی۔ معروضیت کے مقابلے میں داخلیت کا رجحان عام ہوا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان رویوں کے پیچھے ملوکیت اور آمریت کے نظاموں کے تحت مظالم، سیاسی خلفشار، سماجی بدنظمی، انسانی خون کی ارزانی، فکری انتشار اور عدل و انصاف کے فقدان جیسے اسباب و عوامل کارفرما تھے۔ تاہم کسی بھی صورت میں تصوف کو فرار، مردم بیزاری اور رہبانیت کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء کی انسان دوستی، حلم و شرافت، مروت و اخوت، انکسار، خدمت گزاری اور وسیع المشربی کو بہر طور زندگی کے مثبت رویوں اور شریف جذبوں میں شمار کیا جانا چاہیے۔ خواجہ فرید کے یہاں بھی یہی جذبے اور یہی رویے عام ہیں اور یہی ان کے کلام کا نمایاں رنگ ہے۔

بنسی خوب بتایاں باتاں
گجھڑے راز انوکھیاں گھاتاں
گم تھیاں گوڑیاں ذات صفاتاں
لمن الملک دا دورہ آیا (۱۵)

ترجمہ: پیرومرشد نے مجھے عجیب وغریب باتیں بتائی ہیں جس میں پوشیدہ راز اور مخفی مقامات شامل ہیں۔ دنیا کے بھانت بھانت کے فرقے اور گروہ سب مٹ گئے اور عالم الغیب عالم شہود میں تبدیل ہو گیا، یعنی ہر وقت حضوری حاصل ہے۔(۱۶)

جب ہک رمز ملی توحیدوں
دل آزاد ڈٹھم تقلیدوں
تھی کر فرد فرید ، فریدوں
سرّ ی روحی وعظ سُنایا

(کافی نمبر۲۰،ص۱۶۰)

ترجمہ: جب مسئلہ توحید کا ایک راز سمجھ میں آ گیا تو میرا دل دوسروں کے عقائد اور پیروی سے آزاد ہو گیا (غلام) فرید سے جب فرید فرد (فنا فی اللہ) ہو گیا تو وہ بھی روحوں کے بھید کھولنے والا وعظ سنانے لگ گیا۔

سن سمجھ رے زاہد جاہد توں
ہن عشق دے اے کلمات عجب

(کافی نمبر۲۳،ص۲۶۶)

ترجمہ: اے زاہد جاہد انسان! سن اور سمجھ کہ عشق کی باتیں عجیب ہیں۔

ملّاں مارن سخت ستاون
گُجھڑے راز دا بھیت نہ پاون
بے بس شودے ہن معذور

(کافی نمبر۳۷،ص۳۸۳)

ترجمہ: مُلاّ سخت تنگ کرتے ہیں، پوشیدہ اسرار ورموز کو سمجھ نہیں سکتے، بے چارے بے بس اور معذور ہیں۔

ملوانے دے وعظ نہ بھانے
بے شک ساڈا دین ایمانے
ابن العربی دی دستور

(کافی نمبر۳۷،ص۳۸۳)

ترجمہ: ملاؤں کے وعظ پسند نہیں آتے، بے شک ہمارا دین وایمان ابن العربی کا توحید وجود ہے۔ ہم ان ہی کا مشرب رکھتے ہیں اگر چہ ارباب ظواہر کم فہمی کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

خواجہ فرید کی شاعری کا دوسرا رنگ عشق ومحبت کا ہے۔ آپ عشق ومحبت کے جذبوں کو عام کرنے والے شاعر ہیں اور کائنات میں ہر طرف عشق کا ظہور دیکھتے ہیں۔ علامہ اقبال اور خواجہ فرید کے خیالات میں بہت سی اقدار مشترک موجود ہیں۔ مثلاً دونوں شاعر عقل پر عشق کو فضیلت دیتے ہیں۔ دونوں رجائی اور امید پرست شاعر ہیں۔ دونوں کے یہاں حرکت وعمل کی تلقین ہے۔ دونوں کٹھ ملائیت کے خلاف ہیں۔ دونوں سماع اور معاشرے کی اصلاح کا نظریہ رکھتے ہیں۔ دونوں ترغیبات دنیوی، منافقت اور آلائشوں سے پاک معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں۔ دونوں کے یہاں انسان دوستی اور دردمندی کے جذبے فراواں ہیں۔ ان مثالوں میں یہی مضامین ملاحظہ فرمایئے:

عشق ہے ڈکھڑے دل دی شادی
عشق ہے رہبر مرشد ہادی
عشق ہے ساڈا پیر ، جیں کُل راز سمجھایا

(کافی نمبر۸،ص۱۸۷)

ترجمہ: عشق دکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا پیرومرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار ورموز

سے آگاہ کر دیا ہے۔

دیر ، کنشت ، دوارہ ، مندر
مسجد ، منبر و سریا

(کافی نمبر۱۳،ص۲۰۹)

ترجمہ: دیر وکلیسا اور مسجد، مندر بلکہ منبر تک سب بھول گئے۔

دل پریم نگر ڈوں تانگھے
جتھاں پینڈے سخت اڑانگے
ناں راہ فرید نہ لانگھے
ہے پندھ بہوں مشکل دا

(کافی نمبر۱۵،ص۲۱۶)

ترجمہ: دل محبت کے شہر کی طرف کھنچا جا رہا ہے جس کا سفر بے حد دشوار گزار ہے۔ اے فرید اس نگری کی طرح جانے کے لیے نہ راستہ ہے نہ گزرگاہ اور سفر بھی انتہائی کٹھن ہے۔

خواجہ صاحب کا عشق محض لذت وصال کا طالب نہیں رہتا اس میں ذوق سفر، پانے کی آرزو اور طلب کا جذبہ زیادہ نمایاں ہے۔ روہی کی علامت ان کے یہاں وسعت طلبی، وقت طلبی، شوق سفر اور امکانات کے منکشف کرنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ تھل اور روہی کا یہ سفری تجربہ ان کے یہاں تخلیقی تجربہ بھی بنتا ہے اور ان کے حوصلوں کو استقامت اور جذبوں کو عزائم آشنا بھی کرتا ہے۔

تھل مارو دا پینڈا سارا
تھیسم ہک بلہانگ

(کافی نمبر۶۸،ص۵۴۸)

خواجہ فرید کی شاعری کا تیسرا رنگ فطرت اور وسیب کے مناظر کی تصویر کشی ہے اور ان سے حسن اور رومان کی کشید کا تخلیقی عمل ہے۔ خواجہ صاحب نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ ماحول روہی ہے جہاں بیلوں، کیکر، ٹنڈ منڈ، درخت، سائے، سکوت، پرندے، سائیں سائیں کرتی ہوائیں، دُور تک پھیلے ہوئے کھیت، رت بدلتے موسم، مناظر اور کیفیات کا تغیر موجود ہے۔ فطرت کا یہ تلون انسانی مزاج اور جذبوں کو براہِ راست متاثر کرتا ہے۔ انسان کی داخلی کیفیت کے اُتار چڑھاؤ کے حوالے سے مناظر کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ مناظر کے تلون سے خود انسانی مزاج بھی متاثر ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کی شاعری میں یہ روہی..... ایک ایسا صحرا ہے جو عاشقانہ شاعری کے لیے زبردست محرک رہا ہے۔ عشق وجنوں اور صحرا کا تعلق آج کا نہیں صدیوں کا ہے۔ خواجہ فرید کی شاعری میں روہی کا حوالہ وحشت اور دیوانگی سے بڑھ کر حُسن اور دلکشی کا حوالہ بنتا ہے۔ اس لیے کہ خواجہ فرید روہی کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک معصوم بچے کی طرح مچل اُٹھتے ہیں۔ یہ مناظر ان کے لیے زبردست تخلیقی تجربہ بن جاتے ہیں۔

تڈرے چیکن گیرے گھوکن
جوکھاں ترکھاں لونبڑ کوکن
گوہیں شوکن سانبھے پھوکن
نانگیں دی شوں شوں ہے یار

(کافی نمبر۴۲،ص۴۱۰)

ترجمہ: اے دوست! روہی کی حالت یہ ہے کہ ہر طرف جھینگر کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ فاختاؤں کی گھوگھو، لگڑ بگڑ اور لومڑوں کا شور وغل، گوہ سانڈوں کی مخصوص آوازیں، سانپوں کا پھنکارنا اور شوں شوں کرنا انسانی طبیعت پر خوف وہراس طاری کر دیتا ہے۔ (اس بھیانک ویرانے میں سوائے عاشقانِ صادق کے اور کون رہ سکتا ہے)۔

روہی دھڑی مینگھ ملہاراں

بوٹے بوٹے تھیاں گلزاراں
شالا موڑم دوست ملہاراں
بھاگ سہاگ دی موسم آیم

(کافی نمبر۷۶،ص۶۲۰)

ترجمہ: بارش کے فیضان نے روہی کو شاداب کر دیا ہے اس پر بادلوں نے سایہ کر رکھا ہے اور ملہار گائے جا رہے ہیں۔ ایک ایک بوٹا مجسم گلزار بنا ہوا ہے۔ خدا کرے میرا محبوب بھی اپنے اونٹ کی مہار ادھر کو موڑ دے کیونکہ میرے بخت نے پلٹا کھایا ہے اور بھاگ سہاگ کا موسم آ گیا ہے۔

پھر ان ہی مناظر میں ایک ایسا وسیب دکھائی دیتا ہے جو اپنے سامنے تہذیبی اور ارضی تناظر لے کر اُبھرتا ہے۔ مٹیاں بلوتی جٹیاں، رل مل پیلوں چنتی سہیلیاں، جھمر ڈالتی الھڑ دوشیزائیں، گل پھل سے سنگاری ہوئی روہی، روہی کے عاشقانہ ملاپ اور وچھوڑے، لسی سے خاطر تواضع، بھیڑ بکریاں، لیلے اور گائیں چراتے ہوئے چرواہے اور چرواہیاں، تھل مارو کی مسافتیں طے کرتی سسی پھر ویرانے، بیابان، چولستان قطار در قطار کر ہوں، ٹبے..... یہ سب حوالے ایک مخصوص وسیب اور کلچر کو سامنے کر دیتے ہیں۔

وچ روہی دے رہندیاں
نازک نازو جٹیاں
راتیں کرن شکار دلیس دا
ڈینہاں ولوڑن مٹیاں

(دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر۱۳۶،ص۱۳۹)

خواجہ فرید کا چوتھا رنگ رومانی رویوں کا اظہار ہے یعنی ایک نئی دنیا کی تلاش، روایت سے بغاوت، وفور جذبات، فکر و خیال کی آزادی، منفرد ہونے کا جذبہ اور حسن سے لطف اندوز اور متمتع ہونے کی آرزو ہے۔ ان کا خواب ایک ایسی بستی ہے جو سرسبز و شاداب ہے اس میں سوکھی سڑی بُوٹیاں خارِ مغیلاں نہیں ہیں بلکہ نئے

شگوفے اور نئی کونپلیں ہیں۔

تھیاں سرسبز فرید دیاں جھوکاں
سجھوں ، خنکی چائی سوکاں
نند نہ مانون کھیر ، مولا ماڑ وسایا

(کافی نمبر۸۳،ص۱۹۰)

ترجمہ: فرید کے ٹھکانے آباد و شاداب ہو گئے۔ سوکھے سڑے پودوں میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے، کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ گھاس کی فراوانی سے شیر دار مویشیوں کے تھنوں میں دودھ نہیں سماتا ہے۔ شکر ہے مولا کریم نے اپنے فضل و کرم سے ملک ماڑ (ریگستان) کو آباد کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب ایک جمالی صوفی تھے اس لیے ذوق و وجدان کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے۔ عشق حقیقی کی تمام منزلوں سے آشنا اور سلوک کی راہوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق مجازی کی لذتوں سے بھی ناواقف نہ تھے☆ وہ ان تمام لطیف جذبوں سے پوری طرح واقف تھے جو کہ ایک عاشق کو عشق و محبت کی کشمکش میں پیش آتے ہیں۔ جہاں اُن کے کلام میں عشق مجازی کی گھاتیں، لمحاتِ وصال کی کیفیتیں، ہجر و فراق کی کلفتیں، محبوب کے ناز و ادا، ظلم و ستم اور تیرِ نگاہ کے لگائے ہوئے زخموں کی تصویریں ملتی ہیں وہاں عشق حقیقی اور سلوک کی مساوتوں کے تمام حوالے بھی پائے جاتے ہیں۔ اُن کی سرائیکی شاعری پر بے شمار کتابیں اور مضامین موجود ہیں جن میں نہ صرف اُن کے سرائیکی کلام کی وضاحت اور شرح کی گئی ہے بلکہ اُن کی شاعری کے مختلف موضوعات اور مضامین پر بھی تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ کپتان واحد بخش سیال نے ''مقدمے'' میں مالک بن یحییٰ کا سلسلہ نسب دیا ہے وہ اس طرح ہے مالک بن یحییٰ بن محمد بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین عمر بن الخطاب (بحوالہ ''مقابیس المجالس'' مترجم کپتان واحد بخش سیال، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۹ء) ص۴۰۔

۲۔ بحوالہ ''مناقب محبوبیہ'' تصنیف حضرت خواجہ غلام فرید مترجم شیخ احمد سعید چشتی، مطبوعہ انجمن فکر فرید، کوٹ مٹھن، باراول جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۱۹۔

۳۔ بحوالہ ''خواجہ غلام فرید حیات وشاعری'' از مسعود حسن شہاب ص ۲۹، ۳۰ مکتبہ جدید پریس لاہور مزید حوالے کے لیے دیکھئے: ا۔ 'دیوان فرید' (اُردو) مرتبہ صدیق طاہر، مکتبہ جدید پریس لاہور۔ ۲۔ ص ۱۵ پیر فرید از الیس حمید اللہ شاہ، ص ۷، مطبوعہ تاج بک ڈپو، لاہور، باراول (اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا)

۴۔ بحوالہ ''مناقب فریدی'' از شہزادہ محمد اختر، ص ۴۶، مطبع احمد، دہلی۔ روایت ہے کہ اس خاندان کے ایک بزرگ صاحب کمال تھے۔ ایک دفعہ مؤذن نے اذان نہ دی دن زیادہ ہو گیا تو مسجد پہنچے۔ کسی سے پوچھا اذان ہوئی یا نہیں۔ اس جواب پر کہ نہیں ہوئی مؤذن سے ناراض ہوئے اور کوزے سے کہا 'کور جو' یعنی کوزہ بگو اور کوزہ اذان دینے لگا 'گلشن ابرار' میں اصل عبارت یوں ہے ''روز روشن گردیدہ بودوے بردرِ مسجد شریف آمدہ از کے پرسید کہ اذان شدہ است یانے بدر جواب گفت کہ 'نے' ازاں برمودن رنجش نمودہ وکوزہ کہ برمنبر افتادہ بود اورا فرمود ''کور جو'' کور درمیان سندھی کوزہ را گویند ولفظ جو بہ جیم عربی صیغہ امر بمعنی بگو..... چوں از زبانش لفظ 'کور' جو صدور یافت از ہماں آفتابۂ گلے، آواز اذاں برآمد۔'' بحوالہ ''گلشن ابرار'' قلمی فارسی، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

۵۔ بحوالہ ''مقابیس المجالس''، ص ۶۷۔

۶۔ بحوالہ ''تاریخ مشائخ چشت''، ص ۵۷۸، ۵۷۹۔

۷۔ بحوالہ ''مقابیس المجالس'' حصہ چہارم، ص ۵۰۷ مترجم کپتان واحد بخش سیال، تاریخ ولادت کے سلسلے میں مزید حوالے کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ ا۔ مقدمہ 'دیوان فرید' از علامہ نسیم طالوت۔ ۲۔ 'سرائیکی شاعری' از کیفیجا پوری۔ ۳۔ 'دیوان غلام فرید' مرتب نور احمد فریدی۔ ان سب نے مقابیس المجالس کے حوالے سے اس تاریخ پیدائش کو مستند مانا ہے کیونکہ مولانا رکن الدین مرتب 'مقابیس المجالس' کا خواجہ غلام فرید کے ہاں آنا جانا تھا جب کہ خواجہ فرید کے کئی سوانح نگاروں نے ۲۶ ذی الحجہ کی بجائے ۲۶ ذی قعد ۱۲۶۱ھ خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت لکھی ہے ان میں: ا۔ 'دیوان خواجہ غلام فرید' (اُردو) مرتبہ صدیق طاہر۔ ۲۔ 'پنجابی ادب دی کہانی' از عبدالغفور قریشی۔ ۳۔ 'پنجابی کے پانچ قدیم شاعر' از شفیع عقیل۔ ۴۔ 'گوہر شب چراغ' از محمد انور فیروز۔ ۵۔ 'پنجاب ادب کی مختصر تاریخ' از احمد حسین قریشی قابل ذکر ہیں۔

۸۔ بحوالہ 'مقابیس المجالس' حصہ چہارم، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۷۰۴-۷۰۵۔

۹۔ 'اشارات فریدی' (فارسی) حصہ دوم، ص ۱۷، مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ، ۱۳۲۱ھ کے مطابق ''وقتیکہ حضرت محبوب الٰہی، وفات یافتند حضرت صاحب الوصال سی وپنج ۳۵ سالہ بودند ومن ہشت سالہ بودم''

۱۰۔ مقدمہ ''دیوانِ فرید'' مرتبہ عزیز الرحمٰن، ص ۲۲۔

۱۱۔ بحوالہ ''فقر فرید'' از محمد بشیر اختر، ص ۴۸، نقوش پریس، لاہور۔

۱۲۔ بحوالہ ''دیوانِ فرید''، مرتبہ مولانا عزیز الرحمٰن، ص ۳۸۔

۱۳۔ مقدمہ ''دیوانِ فرید'' از علامہ نسیم طالوت، ص ۱۰۶۔

۱۴۔ تاریخ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔

۱۵۔ ''دیوان فرید'' جلد اول، مرتبہ نور احمد فریدی کافی نمبر ۲، ص ۱۵۹، مطبوعہ قصر الادب، جگو والہ، ملتان۔

۱۶۔ ان کافیوں کا ترجمہ نور احمد فریدی کے ترجمہ شدہ ''دیوان فرید'' سے لیا گیا ہے۔

☆ جیسا کہ اُن کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے وہ ایک دوشیزہ کی محبت میں سرشار رہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: ا۔ 'روحِ فرید' از رفیق خاور جسکانی۔ ۲۔ 'خواجہ غلام فرید (حیات وشاعری)' از مسعود حسن شہاب۔